مولانا ابوالکلام آزادؒ

عبداللہ ذوالبجادین

ہر انسان، موت کے آئینے میں اپنے دل کی آپ بیتی کا مرقع دیکھ لیتا ہے۔ اگر اس نے اپنی زندگی میں حسد، نفاق، ریا اور برائی کے ساتھ عہدِ مودّت استوار رکھا ہو تو موت یہی تحائف اس کے سامنے لاکر رکھ دیتی ہے اگر اس نے محبت، خلوص، خدمت اور دیانت کو شمعِ حیات بنایا ہو تو موت انہیں انوار کا گلدستہ بناتی ہے اور اس کی نذر کر دیتی ہے۔ حضرت عبداللہ ذوالبجادین کا انتقال 'موت میں زندگی کے انعکاس' کی بہترین مثال ہے۔

قبولِ اسلام سے پہلے آپ کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ ابھی شیر خواری کی منزل میں تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نہایت غریب تھیں۔ اس واسطے چچا نے پرورش کا بیڑا اٹھایا۔ جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو چچا نے اونٹ، بکریاں، غلام، سامان اور گھر بار دے کر ضروریات سے بے نیاز کر دیا۔ ہجرتِ نبوی کے بعد توحید کی صدائیں عرب کے گوشے گوشے میں گونجنے لگی تھیں اور ان کے کان میں برابر پہنچ رہی تھیں، چونکہ لوحِ فطرت بے میل اور شفاف تھی اس واسطے انہوں نے دل ہی دل میں قبولِ اسلام کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسلامی آواز جو عرب کے کسی گوشے میں بلند ہوتی، ان کے لیے ذوق و شوق کا تازیانہ بن جاتی، قبولِ اسلام کے لیے ہر روز قدم بڑھاتے۔ مگر چچا کے خوف سے پھر پیچھے ہٹا لیتے، انہیں ہر وقت اسی کا انتظار رہتا تھا کہ چچا اسلام کی طرف مائل ہوں تو یہ بھی آستانۂ حق پر سرِ تسلیم خم کر دیں، اس انتظار میں ہفتے گزرے، مہینے بیتے اور سال ختم ہو گئے۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا اور دینِ حق کی فیروزمندیاں، رحمتِ ایزدی کا ابرِ بہار بن کر کوہ و دشت پر پھول برسانے لگیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تطہیرِ حرم کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تھے کہ ذوالبجادین کا

پیمانۂ صبر بھی لبریز ہوگیا۔ آپ چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: "محترم چچا! میں کئی برسوں سے آپ کے قبولِ اسلام کی راہ تک رہا ہوں، مگر آپ کا حال وہی ہے جو پہلے تھا۔ اب میں اپنی عمر پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا۔ مجھے اجازت دیجیے کہ آستانۂ اسلام پر سر رکھ دوں۔"

ذوالبجادین کو جس بات کا خطرہ تھا وہی پیش آگئی۔ ادھر 'قبولِ اسلام' کا لفظ ان کے لبوں سے باہر نکلا۔ اُدھر چچا آپے سے باہر ہوگیا اور کہنے لگا: "اگر تم اسلام قبول کر دگے، تو میں اپنا ہر سامان تم سے واپس لے لوں گا۔ تمہارے جسم سے چادر اتار لوں گا۔ تمہاری کمر سے تہہ بند تک چھین لوں گا۔ تم اپنی دنیا سے تہی دست کر دیے جاؤ گے اور ایسے حال میں یہاں سے نکلو گے کہ تمہارے جسم پر کپڑے کا ایک تار بھی باقی نہیں ہوگا۔"

ناظرین! ذوالبجادین کی حالت کا اندازہ کیجیے، چچا کے الفاظ سے انہیں یوں معلوم ہوا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے موجوداتِ عالم کو ایک مینڈھا بنا کر ان کے سامنے رکھ دیا ہے اور پھر حکم دیا ہے۔ "یہ ہے تمہاری ساری زندگی۔ اسے حضرت خلیل اللہ کی طرح ذبح کر دو۔" ذوالبجادین ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اس ذبحِ عظیم کے لیے تیار ہوگئے اور فرمایا: "اے عم محترم! میں مسلمان ضرور ہوں گا، میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرور اتباع کروں گا۔ اب میں شرک و بت پرستی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آپ کا زر و مال آپ کے لیے مبارک اور میرا اسلام میرے لیے مبارک، تھوڑے دنوں تک موت، ان چیزوں کو مجھ سے چھڑا دے گی۔ پھر یہ کیا بُرا ہے۔ اگر میں آج خود ہی انہیں چھوڑ دوں۔ آپ اپنا سب مال و اسباب سنبھال لیں۔ میں اس کے لیے دینِ حق کو قربان نہیں کر سکتا۔"

ذوالبجادین نے یہ کہا اور چچا کے تقاضے کے مطابق اپنا لباس اتار دیا۔ جوتے اتار دیئے۔ چادر اتار دی اور اس کے بعد تہہ بند بھی اتار کر ان کے سپرد کر دیا۔ پھر چچا کے بھرے گھر سے اس طرح نکلے کہ خدائے واحد کے نام پاک کے سوا کوئی بھی اور چیز ساتھ نہ تھی ؎

میں ہوں گم رہ وفا جوں خورشید
سایہ تک بھاگ گیا چھوڑ کے تنہا مجھ کو

اس حال میں آپ اپنی ماں کے گھر میں داخل ہوئے ۔ ماں نے انہیں مادر زاد برہنہ دیکھ کر آنکھیں بند کرلیں اور پریشان ہوکر پوچھا "اے میرے بیٹے! تمہارا یہ کیا حال ہے؟" ذوالبجادین نے کہا "اے ماں! اب میں مومن و موحد ہوگیا ہوں"۔ اللہ اللہ! مومن اور موحد ہوگیا ہوں کے الفاظ ان کے حال کے کس قدر مطابق تھے۔ انہوں نے اپنی مادی دنیا اپنے ہاتھوں بھسم کی تھی۔ انہوں نے اپنی زیست کے تمام ساز و سامان اپنے ہاتھوں ذبح کیے تھے۔ انہوں نے اسلام کے لیے اپنی زندگی کے تمام رشتوں کو کاٹ کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ اب ان کے پاس نہ اونٹ تھے نہ گھوڑے تھے۔ نہ بھیڑیں تھیں اور نہ بکریاں، نہ سامان تھا نہ مکان، نہ غذا نہ پانی، نہ برتن، جسم پر کپڑے کا ایک تار نہ تھا، مادر زاد برہنہ، اور سمجھ یہ رہے تھے کہ اب میں مومن اور موحد ہوا ہوں۔ ماں نے پوچھا "تو اب کیا ارادہ ہے؟" کہنے لگے "اب میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں گا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ستر پوشی کے بقدر کپڑا دے دیا جائے"۔ ماں نے ایک کمبل دیا۔ آپ نے وہیں اس کمبل کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا تہہ بند کے طور پر باندھا اور دوسرا چادر کے طور پر اوڑھا اور یہ مومن اور موحد اس حال میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

رات کی تاریکی اپنی قوت ختم کر چکی تھی، کائنات سورج کا استقبال کرنے کے لیے بیدار ہو رہی تھی۔ پرندے حمدِ خدا میں مصروف تھے۔ روشنی سے بھیگی ہوئی بادِ سحر مسجدِ نبوی میں اٹکھیلیاں کر رہی تھی کہ گرد سے اٹا ہوا ذوالبجادین تاروں کی چھاؤں میں مسجدِ نبوی میں داخل ہوا۔ ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر آفتابِ ہدایت کے طلوع کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں صحنِ مسجد کے ذرات نے خوش آمدید کا ترانہ چھیڑا۔ معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ حضور نے صحنِ مسجد میں قدم رکھا تو ذوالبجادین سامنے تھا۔

رسول اللہ: آپ کون ہیں؟

ذوالبجادین: "ایک فقیر اور مسافر، عاشقِ جمال اور طالبِ دیدار۔ میرا نام عبدالعزیٰ ہے"۔

رسول اللہ: "حالات سننے کے بعد، یہیں ہمارے قریب ٹھہر جاؤ اور مسجد میں رہا کرو"۔

رسول اللہ نے عبدالعزیٰ کی بجائے عبداللہ کا نام رکھا اور اصحابِ صفہ میں شامل کر دیا۔ یہاں اللہ کا یہ موحد بندہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ قرآنِ پاک سیکھتا تھا اور آیاتِ ربانی کو دن بھر بڑے ہی ولولہ اور جوش سے پڑھتا رہتا تھا۔

حضرت فاروقؓ "اے دوست: اس قدر اونچی آواز سے نہ پڑھو کہ دوسروں کی نماز میں خلل ہو۔"

رسول اللہ۔ "اے فاروق! انہیں چھوڑ دو۔ یہ تو خدا اور رسول کے لیے سب کچھ چھوڑ چکا ہے۔"

رجب سنہ ۹ھ کو اطلاع ہوئی کہ عرب کے تمام عیسائی قبائل قیصرِ روم کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور وہ رومی فوجوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اس وقت عرب کی گرمی خوب زوروں پر تھی۔ رسول اللہ نے آدمیوں اور روپے کے لیے اپیل کی۔ حضرت عثمانؓ نے ۹۰۰ اونٹ ۱۰۰ گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ۴۰ ہزار درہم دیے۔ حضرت عمر فاروق نے اپنے تمام مال و منال اور نقد و جنس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ جنگ کے چندہ میں دے دیا۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے اللہ اور رسول کے نام کے سوا اپنا سب کچھ اٹھایا اور رسول اللہ کی نذر کر دیا۔ حضرت ابوعقیل انصاری نے رات بھر محنت کر کے کل چار سیر کھجوریں کمائیں۔ دو سیر اپنے بیوی بچوں کو دیں اور دو سیر رسول اللہ کی خدمتِ پاک میں پیش کر دیں۔ عبداللہ ذوالبجادین کے پاس پہلے ہی خدا اور رسول کے نام کے سوا کچھ بھی موجود نہ تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی پیش کر دی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہجومِ آتش بار کے طوفانوں میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ سواریاں اس قدر کم تھیں کہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا۔ سامانِ رسد اس قدر قلیل تھا کہ مسلمان درختوں کے پتے کھاتے تھے اور قیصرِ روم کے مقابلے پر منزل بمنزل چلے جا رہے تھے۔ عبداللہ ذوالبجادینؓ ولولۂ جہاد سے لبریز تھا۔ شوقِ شہادت

سے سرشار تھا۔ اسی دھن میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا اور کہنے لگا:

"یارسول اللہ! آپ دعا فرمایئے کہ میں راہِ خدا میں شہید ہو جاؤں گا"

رسول اللہ نے فرمایا: "تم کسی درخت کا چھلکا اتار لاؤ"

عبداللہ درخت کا چھلکا لے کر خوشی خوشی حاضرِ خدمت ہوا۔ حضور نے چھلکا لیا اور اسے عبداللہ کے بازو پر باندھ دیا اور زبانِ مبارک سے فرمایا "خداوندا! میں کفار پر عبداللہ کا خون حرام کرتا ہوں"۔

عبداللہ ارشادِ نبوی پر کچھ حیران سا رہ گیا اور کہنے لگا "یارسول اللہ! میں تو شہادت کا آرزومند تھا۔" فرمایا: "جب تم راہِ خدا میں نکل پڑے۔ پھر اگر بخار سے بھی مر جاؤ تو تم شہید ہو"۔

اسلامی فوج تبوک پہنچی تھی کہ عبداللہ کو سچ مچ بخار آگیا۔ یہی بخار ان کے لیے پیغامِ شہادت تھا۔ رسول اللہ کو ان کے انتقال کی خبر پہنچائی گئی تو آپ صحابہ کے ساتھ تشریف لائے۔ ابنِ حارث مزنی سے روایت ہے کہ رات کا وقت تھا۔ حضرت بلال کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اپنے ہاتھوں سے میت کو لحد میں اتار رہے تھے۔ خود رسول قبر کے اندر کھڑے تھے اور حضرت عمر سے فرما رہے تھے:

اَدّبا الٰی اَخیکُمَا

"اپنے بھائی کو ادب سے لحد میں اتارو"

جب میت لحد میں رکھ دی گئی تو رسول اللہ نے فرمایا "اینٹیں میں خود رکھوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ نے اپنے دستِ مبارک سے قبر میں اینٹیں لگائیں اور جب تدفین مکمل ہو چکی تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

"الٰہی! میں آج شام تک مرنے والے سے خوش رہا ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا"

حضرت ابنِ مسعود نے جب یہ نظارہ دیکھا تو فرمایا "اے کاش۔ اس قبر میں آج میں دفن کیا جاتا"

ماخوذ از "الہلال"